یورپ میں
محکمۂ احتساب عقائد کے ستم خوردوں پر
ایک نظر

سلطان احمد اصلاحی

موجودہ دور میں مذہب کے دائرے کو محدود اور اسے تنگ سے تنگ تر کرنے میں پاپائی مسیحیت کا جو بدنما کردار رہا ہے اہل نظر اس سے ناواقف نہیں ہیں۔ مسیحیت کے اس کردار کا سب سے بدترین مظاہرہ ہمیں وہاں 'احتساب عقائد' کی عدالتوں کی کارروائیوں میں نظر آتا ہے[1] جس کا صحیح اندازہ ہم اس کے ستم خوردوں پر ایک نظر ڈال کر ہی کر سکتے ہیں۔ احتساب عقائد کی ان عدالتوں کی کارروائیوں کے نتیجے میں کتنے لوگوں کو نذر آتش کیا گیا اور کتنے وہ لوگ تھے جو قید خانوں کی ایذا رسانیوں کی تاب نہ لاکر اس دنیا سے چل بسے، سچ یہ ہے کہ اس کا صحیح حساب بتانا مشکل ہے۔ تاہم رومن کیتھولک مصنف لورنٹ (Llorente) جو کئی سالوں تک اسپینی عدالت احتساب میں بحیثیت سکریٹری کے کام کر چکا ہے، اس کا اندازہ ہے کہ ان عدالتوں کے تحت صرف ۱۴۸۱ء سے ۱۵۱۷ تک یعنی چالیس برس سے بھی کم مدت کے عرصے میں تیرہ ہزار افراد کو زندہ نذر آتش کیا گیا، بقیہ سترہ ہزار وہ تھے جنھیں دیگر مختلف قسم کی سخت سزاؤں کا مستحق قرار دیا گیا۔ جس پر جی۔ آر۔ اسکاٹ تبصرہ کرتے ہوئے کہتا ہے کہ 'یہ اعداد و شمار ستم خوردوں

---

[1] تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو راقم الحروف کا مضمون 'محدود تصور مذہب کا پس منظر' مطبوعہ 'تحقیقات اسلامی'، اپریل تا جون ۱۹۸۳ء۔

کی واقعی تعداد سے زیادہ تو کیا یقیناً اس سے کم ہی ہوں گے[1] اسی طرح اس کے علاوہ ۱۵۷۲ء میں سینٹ بارتھیلیو کی شام (St. Barthelomew's Eve) کے ایک ہی موقع پر دس ہزار پروٹسٹنٹوں کو انتہائی بے رحمی کے ساتھ ذبح کر کے رکھ دیا گیا تھا جس پر گریگوری سیزدہم (Gregory XIII) کو عزت افزائی کے طور پر ایک انعامی تمغہ بھی ملا تھا[2]

یہ تو خیر ایک مجموعی اندازہ اور بڑے پیمانے پر ایک واقعے کی تفصیل تھی۔ انفرادی واقعات کی مثالیں بھی کچھ کم نہیں ہیں۔ روکس (Rochus) جو سینٹ لوسر (St. Lucer) (اسپین) کا رہنے والا ایک مجسمہ ساز (Craver) تھا اسے محض اس جرم کی پاداش میں کہ اس نے کنواری مریم کے ایک مجسمہ کو بدنما کر دیا تھا کھمبے سے باندھ کر زندہ جلا دیا گیا۔ اسی طرح ایک دوسرا شخص فردمنڈو (Fredtiando) جو ایک پروٹسٹنٹ اسکول ماسٹر تھا اسے اس بنا پر کہ وہ اپنے شاگردوں کو اپنے عقیدے کے اصولوں کی تعلیم دیتا تھا پہلے تو اس کی ایذا رسانی کی گئی پھر نذر آتش کر دیا گیا۔ ایک دوسرا پروٹسٹنٹ جان لیون (John Leon) نیز اس کے علاوہ اسی عقیدے کے پیرو اسپینی باشندے جو بھاگ کر انگلینڈ پہنچنا چاہتے تھے انھیں انکوزیشن کے ایجنٹوں کے ذریعہ گرفتار کر لیا گیا۔ پھر ان کی ایذا رسانیاں کی گئیں، انھیں بھوکوں مارا گیا اور آخر میں ان سب کو جلا کر خاکستر کر دیا گیا۔ اسی طرح ایک دوسری نوجوان عورت کو جس نے پروٹسٹنٹ عقیدہ اختیار کر لیا تھا اور اپنے پرانے راہبہ (Nun) کے منصب پر پلٹنے سے انکار کر دیا تھا آگ کے شعلوں کی نذر کر دیا گیا۔ کرسٹوفر لوساڈا (Christopher Losada) جو اپنے وقت کا ممتاز ماہر طبیعیات تھا اسے بھی اسی جرم میں کہ اس نے پروٹسٹنٹ عقیدہ اختیار کر لیا تھا باندھ کر جلا دیا گیا۔ اسی طرح سینٹ اسیڈور (St. Asidore) (سیویل) کی خانقاہ کا ایک راہب (Monk) جس نے پروٹسٹنٹ مذہب اپنا لیا تھا اسے بھی پہلے تو ایذا رسانی کا نشانہ بنایا گیا پھر نذر آتش کر دیا گیا۔ ایک دوسری مثال ٹولیڈو (Toledo)

---

(1) History of Torture Throughout the ages P. 81.
(2) Religion as a Bar to Progress P. 33

کے ایک پروٹسٹنٹ خوش نویسی کے استاذ کی ہے جسے اس جرم میں کہ اس نے اپنے ہاتھوں سے اصول دہگانہ (Ten Commandments) کو تمام و کمال لکھ کر[1] اپنے مکان کے ایک کمرے کی دیواروں کو سجا رکھا تھا ۱۵۶۴ء میں ولاڈ ولڈ (Valladolid) میں کھمبے سے باندھ کر نذر آتش کر دیا گیا۔[2]

انکوزیشن کی ستم خوردہ ایک اور مظلومہ کی داستان اگرچہ طویل ہے لیکن موضوع کے لحاظ سے اس کا ذکر ضروری معلوم ہوتا ہے۔ یہ ایک برطانوی خاتون کی داستان ہے جس کی شادی "واسکونسلس" (Vasconcellos) نامی ایک شخص سے ہوئی تھی۔ یہ عورت 'مدیرا' (Madeina) میں رہتی تھی ۱۷۰۴ء کی بات ہے جب اس پر بے دینی (Heresy) کا الزام لگا اور اسے لسبان کی انکوزیشن کے حوالے کیا گیا۔ اس عورت کو ساڑھے نو مہینے تک ایک ایسے جرم کی پاداش جس سے برأت کا وہ اپنے بس بھر اظہار کرتی رہی زیر زمین قید خانے (dungeon) میں رکھا گیا جس میں کھانے کے لئے اسے صرف روٹی اور پانی ملتا تھا۔ اور سونے کے لئے نمی سے شرابور چٹائی کا بستر (Straw Bed) تھا۔ جرم کا اقبال کرنے کی غرض سے اسے متعدد بار گرہ دار کوڑوں سے مار لگائی گئی۔ اس کے پستان کو آگ میں سرخ کئے ہوئے لوہوں سے تین مختلف مقامات پر داغا گیا اور اس سے ہونے والے زخموں کو چھوڑ دیا گیا کہ وہ اپنے آپ مندمل ہوتے رہیں۔ آخری طور پر اسے ایک بار پھر ایذا رسانی کے کمرے (Torture Chamber) میں بلایا گیا۔ اور سزا دہندہ (Executioner) کی طرف سے اسے منجد کرسی (Fixed Chair) پر بیٹھنے کا حکم دیا گیا جس سے اسے رسیوں سے اس طرح باندھ دیا گیا کہ وہ ہلکے سے ہلکے طور پر بھی حرکت نہ

---

[1] پاپائیت کے پیروؤں (Papists) نے دس اصول کے اس حصہ کو حذف کر رکھا تھا جس میں بتوں اور مورتیوں کے پوجنے کی ممانعت کی گئی تھی ملاحظہ ہو: History of Torture Throughout the ages P.82

[2] ملاحظہ ہو جی۔ آر۔ اسکاٹ کی کتاب مذکور:- History of Torture Throughout the Ages P.81.82

کرسکے اس کے بعد اس کے بائیں پیر کی چپل اتروا دی گئی اور اس کی جگہ ایک آہنی چپل جو آگ میں ڈال کر سرخ انگارہ کردی گئی تھی، اس کے ننگے پیر سے باندھ دی گئی، جسے اس پاؤں کے ساتھ لگی رہنے دیا گیا تا آنکہ اس کا گوشت ہڈی تک بھون اٹھا۔ غریب عورت اس اذیت کی تاب نہ لاکر اپنے ہوش و حواس کھو بیٹھی۔ اس کے بعد اس پر اس بری طرح سے کوڑے برسائے گئے کہ اس کی پیٹھ کا گوشت کندھے سے لے کر کمر تک چیتھڑے بن کر لٹک گیا۔ اس کے بعد انھوں نے اسے اس کے داہنے پاؤں میں آگ میں سرخ کئے ہوئے اسی آہنی چپل کو پہنانے کی دھمکی دی۔ اب اس کے اندر مزید ایذا رسانیوں کے سہنے کی مطلق تاب نہ تھی۔ چنانچہ اس نے اپنے سامنے رکھے گئے فرد قرارداد جرم پر اپنے دستخط ثبت کر دیئے[1]

اسی طرح ایک دوسری خاتون جین بورقیہ (Jane Bohorquia) جس کا تعلق سیولی کے نواب خاندان سے تھا اسے اس جرم میں کہ وہ اپنے ایک دوست سے پروٹسٹنٹ مذہب کے بارے میں گفتگو کر رہی تھی، پکڑ لیا گیا اور حوالۂ زندان کر دیا گیا۔ اس وقت وہ حمل سے تھی۔ لیکن ولادت کے فوراً ہی بعد جب کہ وہ قابل رحم حد تک کمزوری کی حالت میں تھی اسے تختۂ تعذیب پر لٹا کر اس شدت سے شکنجے میں کسا گیا کہ اس کا گوشت کٹ کر ہڈیوں تک راستہ صاف ہو گیا۔ اور اس کے منہ سے خون کے فوارے جاری ہو گئے۔ بیچاری غریب ایک مہینے کے اندر ہی موت کے منہ میں چلی گئی[2]

مختصر یہ کہ انکوزیشن کو اتنا زبردست اقتدار حاصل تھا کہ مزعومہ مجرموں کو جو سزا چاہتی دے سکتی تھی۔ نہ تو اس سے کوئی باز پرس کی جا سکتی تھی اور نہ اس کے کسی اقدام میں کوئی رکاوٹ کھڑی کی جا سکتی تھی۔ اس کے آہنی پنجوں میں کس جانے کے بعد بس خدا ہی تھا جو کسی کو اس عذاب سے نکال سکتا تھا۔ ورنہ اس کے بڑھتے ہوئے اختیارات کے سامنے اوروں کو تو چھوڑیئے بڑے بڑے شاہزادوں اور شہنشاہوں کو بھی دم مارنے کی مجال نہ تھی۔ ڈان کارلوس (Don Carlos) سے بڑھ کر اہم شخصیت اور کس کی ہو سکتی تھی جو شہنشاہ

---

[1] حوالہ سابق صفحہ ۸۲ [2] کتاب مذکور صفحہ ۸۲

فلپ دوم کا بڑا لڑکا اور بظاہر حالات تخت و تاج کا امکانی وارث تھا۔ خدا کے نام پر پادریوں کی طرف سے کئے جانے والے مظالم اور زیادتیوں سے جز بز ہو کر "ڈان کارلوس" نے ایک سے زیادہ مواقع پر اپنے دوستوں اور بے تکلف احباب کے درمیان احتساب عقائد کی عدالت کے ذمہ داروں (Inquisitors) کی طرف سے اپنائے جانے والے طور طریقوں کے خلاف ذرا جوشیلی تقریریں کر دیں۔ بات مقدس عدالت (Holy Office) کے کانوں تک پہنچ گئی اور شہزادہ گرفتار کر لیا گیا۔ فلپ ایک تو اچھی طرح واقف تھا کہ بادشاہ کے بالمقابل اسپینی عدالت احتساب کے اختیارات، کہیں زیادہ ہیں اور دوسرے یہ کہ اسے اپنے اس بیٹے سے بہت زیادہ دلچسپی بھی نہیں تھی چنانچہ اس نے اس معاملہ میں مداخلت کی کوئی سنجیدہ کوشش نہیں کی۔ نتیجہ ظاہر تھا۔ "ڈان کارلوس" کو بے دینی کا مجرم قرار دیا گیا اور اسے موت کی سزا سنائی گئی۔ البتہ اس کے مرتبہ کا لحاظ رکھتے ہوئے اسے ایک رعایت یہ دی گئی کہ مرنے کی صورت کا انتخاب وہ اپنے طور پر کر سکتا ہے۔ اس کا فیصلہ تھا کہ اس کی کسی رگ کو کاٹ کر کھلا چھوڑ دیا جائے جس سے خون رس جائے اور وہ اپنے کو موت کے منہ میں ڈال سکے[1]

ایلبی جینسز اور والڈنسس (ALBIGENSES & WALDENSES)

بے دینی کے نام پر باشندگانِ یورپ پر کلیسا کا یہ ظلم و ستم واقعہ یہ ہے کہ انسان کو نفس مذہب سے بیگانہ بلکہ بیزار کر دینے کے لئے بہت کچھ کافی ہے۔ لیکن کلیسا کی خون آشامیوں کی داستان اس سے بھی زیادہ دردانگیز ہے جس کا مظاہرہ ہمیں اپنے خیال کے مطابق راہ حق سے ہٹے ہوئے اور گمراہ دو فرقوں کے خلاف اس کی کارروائی میں نظر آتا ہے۔ یعنی ایلبی جینسز اور والڈنسس۔

ایلبی جینسز

جیسا کہ اشارہ کیا گیا یہ فرقہ بارہویں صدی عیسوی میں وجود میں آیا اور دراصل اسی کو

---

[1] کتاب مذکور صفحہ ۸۵۔

صفحہ ہستی سے مٹانے کے لئے پوپ انوسنٹ سوم کی طرف سے "ہولی انکوزیشن" کا قیام عمل میں آیا تھا۔ یہ لوگ جنوبی فرانس کے شہر البی کے رہنے والے تھے اور امیر ٹولوس (Count of Toulouse) کی رعایا تھے۔ اسی کی مناسبت سے ان کا یہ نام "البی جنسیز" پڑا تھا[1]۔ یہ لوگ صنعت و حرفت میں بہت آگے تھے اور عوام انھیں بڑی احترام کی نظر سے دیکھا جاتا تھا[2]۔ تیرہویں صدی کی ابتدا میں پوپ انوسنٹ نے ان کو نیست و نابود کرنے کے لئے اپنی کارروائی کا آغاز کیا جس کی تفصیل باروی رابن سن کے لفظوں میں اس طرح ہے "اس مرفہ الحال سرزمین کے باشندوں کے خلاف ان نوسنٹ سوم نے ۱۲۰۸ء میں ایک صلیبی جنگ کا وعظ کہا۔ ایک لشکر جرار سائمن ڈی مانٹ فورٹ کی ماتحتی میں شمالی فرانس سے روانہ ہو کر اس بدنصیب حصہ ملک میں پہنچا اور تاریخ کی ایک بڑی خوں ریز اور نہایت بیرحم لڑائی کے بعد قاطبۃ سب کو ذبح کر کے بے دینی کو روک دیا"۔

اس پر تبصرہ کرتے ہوئے مصنف مذکور مزید لکھتا ہے:۔

"اس وقت اس جنگ نے تہذیب کی ترقی کو بھی روکا کیوں کہ فرانس کے نہایت روشن خیال حصہ کی مرفہ الحالی کو برباد کر کے رکھ دیا گیا تھا"[3]

پہلے تو پوپ نے امیر ٹولوس کو یہ حکم دیا کہ وہ ان بے دینوں کو اپنے علاقے سے نکال باہر کرے۔ جس کی تعمیل نہ ہونے پر اس نے ان کے خلاف مقدس جنگ (Crusade) کا اعلان کر دیا اور اس میں شریک ہونے والوں کو اس نے ان تمام انعامات کا مستحق گردانا جو عام طور پر اس جنگ کو لڑنے والوں (Crusaders) کو ملتے تھے۔ جس میں یہ

---

[1] یہ لوگ اپنے آپ کو کتھاری یعنی پاکیزہ کہتے تھے۔ گیارہویں صدی عیسوی میں ان کے خیالات کو اٹلی میں قبول عام حاصل ہوا اور بارہویں صدی میں بہت کثرت سے خصوصاً جنوبی فرانس میں پھیل گئے۔ ان کے عقائد کی تفصیل اور اس کے تاریخی تسلسل کے لئے ملاحظہ ہو۔ تاریخ مغربی یورپ صفحات ۲۲۴ ۲۲۵

[2] A History of Freedom of Thought P. 40

[3] تاریخ مغربی یورپ ص ۲۲۷

بات بھی شامل تھی کہ انھیں ان کے تمام گناہوں سے پاک صاف تصور کیا جائے گا۔ اس کے نتیجے میں پے درپے خوں ریز جنگیں ہوئیں جن میں مشہور انگریز (English man) سائمن ڈی مانٹ فورٹ بھی (Simon de Montfort) شریک رہا۔ جن میں بڑے پیمانے پر جائداد و املاک اور مکانات کو جلایا گیا اور مردوں، عورتوں اور بچوں کو پھانسی پر چڑھا دیا گیا۔ یہ جنگ ۱۲۲۹ء میں ختم ہوئی جب کہ ان لوگوں کا زور پوری طرح ٹوٹ چکا تھا اور امیر ٹولوس نے اپنے کو مکمل طور پر حملہ آوروں کے حوالہ کر دیا تھا[1]

یہ بدنصیب فرقہ جس کا واحد جرم یہ تھا کہ وہ کلیسائے روم (Church of Rome) کے عقائد اور اس کے خیالات (Doctrines) سے متفق نہ تھا، اسے صفحۂ ہستی سے مٹانے کے لئے یہ جنگ جو بیس سال تک جاری رہی اس میں ان بے دینوں کے خلاف' جیسا کہ پوپ کی طرف سے انھیں اسی نام سے یاد کیا جاتا تھا' ہر طرح کے ظالمانہ سلوک اور ایذا رسانی کو جس کا کہ تصور کیا جا سکتا تھا روا رکھا گیا۔ اس ظلم کی تاب نہ لاکر بہت سے لوگوں کی ہمتیں جواب دے گئیں اور وہ اپنے ان عقائد سے دستبردار ہوکر جن کو وہ صحیح سمجھتے تھے دوبارہ رومن کیتھولک عقائد کے قائل ہو گئے۔ چنانچہ خود امیر ٹولوس (Earl of Tou-louse) نے حالات سے مجبور ہوکر انتہائی خوف و ہراس کے عالم میں اپنے کو کلیسا سے ہم آہنگ کر لینے کی پیش کش کر دی۔ لیکن مخالفین کی طرف سے اس کی اس پیشکش کا جس طرح استقبال کیا گیا وہ دیکھنے کے لائق ہے جس کی تفصیل زیوس (Bzovius) کے لفظوں میں اس طرح ہے:

'امیر جس نے کلیسائے روم سے وفاداری کی قسم کھائی تھی۔ اب جب اس طرح اس نے اپنے کو قسم کے ذریعہ پابند کر لیا تو پاپا کے نائب پادری نے حکم دیا کہ اسے مجرموں کا لباس پہنا کر وہیں سے گھسیٹتے ہوئے چرچ میں لایا جائے جہاں اس نے اسے کوڑے کی سخت مار لگا کر معافی عطا کی۔ کوڑے کی اس مار سے وہ اس طرح چور ہو گیا تھا کہ جس دروازے

---

(1) A History of Freedom of Thought P. 41

سے وہ اندر داخل ہوا تھا اب اس سے باہر نکلنے کے قابل نہ تھا۔ چنانچہ چرچ کے پست دروازے سے تقریباً برہنہ حالت میں اسے باہر کیا گیا یہی نہیں بلکہ یہی حالت اس کی تادم آخر باقی رہی۔ اسی حالت میں اسے مرنے کے بعد قبر میں لٹایا گیا۔[1]

اس سلوک کا مستحق تو اپنے علاقے کے حکمران کو قرار دیا گیا۔ عام لوگوں کے ساتھ جو رویہ اپنایا گیا وہ اس سے بھی بدتر تھا چنانچہ ۱۲۱۱ء میں جب کیبرٹ کے قلعہ (Castle of Cabaret) کا سقوط عمل میں آیا تو اس کے فوجیوں کو کھمبوں سے باندھ کر زندہ آتش کیا گیا یا اسی طرح کے دیگر تکلیف دہ ذرائع سے انھیں تباہ و برباد کر دیا گیا قلعہ کی مالکہ (Lady of the Castle) کو زندہ ہی ایک گڑھے میں کھڑا کر دیا گیا اور پھر اس کو پتھروں سے بھر دیا گیا۔ اسی طرح جب مارموڈ (Marmaude) نے شرائط پر ہتھیار ڈال دیئے تو پانچ ہزار مردوں، عورتوں اور بچوں کو ذبح کر کے رکھ دیا گیا۔ دوسرے نام نہاد بے دین فرقے بھی اسی انجام بد سے دوچار ہوئے جس کا نشانہ بیچارے ان ایلبی جنسیز کو بنایا گیا تھا۔ ایسا ہی ایک فرقہ اپوسٹولیکلس (Apostolicals) کا تھا، یہ لوگ رسولوں (Apostles) کے طرز پر، سفید لباس پہنتے اور ننگے سر رہا کرتے تھے۔ گرہارڈ سیگارلیس آف پارما (Gerhard Sagarellus of Parma) جو اس فرقے کا بانی تھا ۱۳۰۰ء میں اسے نذر آتش کر دیا گیا۔ سات سال بعد اس کے جانشین ڈلسینو آف نوارہ (Dulcino of Novara) اور اس کی بیوی مارگرتھا (Margaretha) کو عوام کے ایک بڑے مجمع کے سامنے آنکڑوں (Hooks) اور دیگر آلات سے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا گیا۔ اس کے بعد ان کے کٹے پٹے اعضا جسم کو آگ کے منہ میں دیدیا گیا۔[2]

والڈنسس

اس سے بھی زیادہ دردناک داستان اس بدنصیب فرقے کی ہے جسے تاریخ

---

(1) History of Torture Throughout the Ages P 145, 146

[2] حوالہ سابق ص ۱۴۶

میں والڈنسس کے نام سے جانا جاتا ہے یہ فرقہ بھی جیسا کہ ہم نے اشارہ کیا بارہویں صدی عیسوی میں وجود میں آچکا تھا[1] آگے کئی صدیوں تک اگرچہ یہ لوگ مختلف اوقات میں کلیسا کے ظلم و ستم کا نشانہ بنتے رہے لیکن بحیثیت مجموعی ان کے خلاف کسی کارروائی کو ضروری نہیں سمجھا گیا لیکن سترہویں صدی عیسوی میں جب کہ کلیسا کے مظالم (Persec-ution) سے بچنے کے لئے اپنے اپنے ملکوں کو چھوڑ کر یہ لوگ پڈمانٹ (Piedmont) کی وادی میں اقامت گزیں ہو چکے تھے۔ ان بے دینوں کے خلاف بڑے پیمانے پر کارروائی کا آغاز ہوا۔

چنانچہ ۲۵ جنوری ۱۶۵۵ء کو ڈیوک آف سیوائے (Duke of Savoy) کی ہدایت کے مطابق انڈریو گستالڈو (Andrew Gastaldo) نے جو 'شہری قانون' میں ڈاکٹریٹ کی ڈگری بھی رکھتا تھا، درج ذیل فرمان جاری کیا:-

"یہ کہ اس اصلاح یافتہ مذہب کے ہر خاندان کا سربراہ، اپنے خاندان کے تمام افراد کو بلا لحاظ اس کے کہ وہ کس رتبہ کا ہے، نیز یہ کہ کس عمر (Degree) اور کس حالت میں ہے، کسی استثنا کے بغیر ان میں سے جو لوگ بھی فلاں فلاں مقامات پر رہ رہے ہیں (جس کے بیان مقامات کی تفصیل ہے) اس فرمان کے سننے کے تین دن کے اندر اندر اپنے اپنے ٹھکانوں سے باہر نکل آئیں جس کی عدم تعمیل پر وہ سزائے موت کے مستحق ہوں گے اور مکان سمیت ان کا تمام مال اور اثاثہ ضبط کر لیا جائے گا سوائے اس کے کہ وہ اس دی گئی مدت کے اندر اندر دوبارہ رومن کیتھولک عقیدہ اختیار کر لیں۔"[2]

اس فرمان کا نتیجہ تھا کہ بیچارے اس غریب فرقے پر انتہائی بے رحم کارروائی کا آغاز ہو گیا جس میں کیتھولک عوام کے علاوہ باقاعدہ فوج بھی شریک تھی۔ چنانچہ ایک عینی مشاہد کا بیان ہے کہ مسلح افراد کا ایک جم غفیر بہت ہی ہیبت ناک طریقے پر والڈنسس

---

[1] ان کے عقائد اور خیالات کی تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو تاریخ مغربی یورپ صفحہ ۲۲۴، ۲۲۵

(2) History of Torture Throughout the Ages P 56

برٹوٹ پڑا۔ اس کے بعد اس کے سوا کچھ نہ نظر آتا تھا کہ ہر طرف خوف و ہراس اور مایوسی اور اداسی منہ کھولے کھڑی تھی۔ گھروں کے فرش خون سے تر بتر تھے۔ مردہ لاشوں سے سڑکیں اور گلیاں پٹی پڑی تھیں۔ اور ہر طرف سے بس سسکیوں اور کراہوں کی آواز ہی سنائی دیتی تھی۔ کچھ لوگوں نے ہمت سے کام لے کر اپنے کو مسلح کیا اور چھوٹے چھوٹے دستے بنا کر اس فوج سے لڑنے کی کوشش کی لیکن دوسرے بہت سے تھے جو اپنے اپنے خاندان سمیت پہاڑوں میں جا چھپے۔ صرف ایک گاؤں کے اندر جب کہ وہاں سے مرد آبادی بھاگ چکی تھی ان ظالموں نے ڈیڑھ سو عورتوں اور بچوں کو چیر کر رکھ دیا، عورتوں کا تو انھوں نے سر قلم کیا اور بچوں کو لے کر ایک دوسرے سے اس طرح ٹکرایا کہ ان کے بھیجے سر سے باہر نکل آئے۔ ولارو (Villaro) اور بوبیو (Bobio) کے دو قصبات میں وہاں کے باشندوں کی اکثریت جنھوں نے عشائے ربانی (Mass) میں جانے سے انکار کیا، تو ان میں سے جن کی عمریں پندرہ برس سے زیادہ تھیں ان کو تو انھوں نے الٹے صلیب پر لٹکا دیا، اور زیادہ تعداد ان میں اس سے کم عمر والوں کی تھی انھوں نے ان کا گلا گھونٹ کر کام تمام کیا۔"[1]

سپاہیوں نے اپنے ظلم و بربریت کا مظاہرہ جس انتہائی سفاکانہ انداز میں کیا اس کی مثال مشکل ہی سے مل سکتی ہے۔ آخری سزا سے پہلے ہر ممکن طریق سے لوگوں کے اعضاء کی قطع و برید کی جاتی تھی۔ اور اکثر و بیشتر مثالوں میں تو آخری ضرب لگائے بغیر مظلوموں (Victims) کو چھوڑ دیا جاتا تھا کہ وہ بھوک کی تاب نہ لا کر یا بدن کا خون بہ جانے سے موت کے منہ میں چلے جائیں۔ ایسیا گارسینو (Osiah Garcino) ایک ایسا ہی شخص ہے جسے کسی استعارہ کے طور پر نہیں بلکہ لفظی معنوں میں قیمہ بنا کر رکھ دیا گیا تھا۔ میری ریانڈ (Mary Raymondet) وہ بدنصیب عورت تھی جس کی رانوں اور جسم کے دوسرے گداز حصوں (Bones) سے گوشت ٹکڑے ٹکڑے کر کے نکالا جاتا رہا یہاں

---

[1] حوالہ سابق صہ ۷۵

تک کہ اسی دہشتناک تکلیف کی حالت میں اس کی موت آگئی۔ گیاونی پیلانچین (Giovanni Pelanchion) کی ایک ٹانگ کو اڑیل ٹٹو (Mule) کی دم سے باندھ کر لوسیرین (Lucerne) کی گلیوں میں خوب خوب گھسٹوایا گیا جب کہ مجمع (Mob) اس کے اوپر پتھروں کی بوچھاڑ کرتا رہا۔ اسی طرح ایک دوسرے شخص ان کاربونیر (Ann Charbonierre) کو کھمبے سے چھید کر لگا ہوا چھوڑ دیا گیا، اسی حال میں وہ دھیرے دھیرے موت کے منہ میں چلا گیا۔ ان کے علاوہ دوسرے بہت سے وہ لوگ تھے جنھیں درختوں اور شہتیروں سے لٹکا کر ان کے پیٹوں کو آہنی سلاخوں سے چاک کر دیا گیا۔ بارتھلیمو فریش (Barthol-omew Frasche) کی ایڑیوں میں سوراخ کر دیا گیا۔ اس کے انہی کھلے ہوئے زخموں کے بیچ سے رسی ڈال دی گئی اور اسی صورت سے اسے گھسیٹتے ہوئے زیر زمین قید خانے (dungeon) تک لے جایا گیا جہاں پہنچتے ہی اس کی جان نکل گئی[۱]

ایذا رسانی کا ایک محبوب طریقہ مظلوموں کے منہ میں بارود کی چھوٹی چھوٹی تھیلیاں رکھ دینے کا تھا، جس کے بعد ان میں آگ لگا دی جاتی تھی۔ دانیال ریمباٹ (Daniel Ramb-aut) بھی وہ بدقسمت شخص تھا جس کے انگوٹھے اور انگلیوں کو کئی کئی ٹکڑوں میں کاٹا گیا، ہر روز انگلی کے ایک پور کو کاٹا جاتا تھا جس کا مقصد اس کے سوا کچھ نہ تھا کہ وہ رومن کیتھولک عقیدہ اختیار کرے۔ کھمبے سے باندھ کر جلا دینا، پانی میں ڈبونا اور دم گھونٹ کر مارنا، سزائے موت (execution) کا عام طریقہ تھا[۲]

سارا رسٹگنول ڈیس وِگنیس (Sara Rastignole des Vignes) بھی انہی بدنصیب لوگوں میں سے تھی جسے اس جرم کی پاداش میں کہ اس نے اپنی زبان سے جیسس میریا (Jesus Maria) دہرانے سے انکار کر دیا تھا، اس کے شکم کے نچلے حصے میں درانتی ڈھکیل دی گئی۔ اسی طرح ایک دوسری نوجوان عورت مارتھا کانسٹنٹائن (Martha Constantine) تھی جس کی پہلے تو عصمت دری کی گئی، پھر اس کے پستانوں کو کاٹ کر مار ڈالا گیا[۳]

---

[۱] و [۲] و [۳] حوالہ مذکور ص ۵۷

اسی طرح مورلینڈ (Morland) کا بیان ہے کہ جیکو لپو میکا لیو آف لوبیو کا ایک خادم تھا، جسے اس کے پیر کے تلوے اور اس کے کانوں میں چھرے سے متعدد زخم لگائے گئے یہ زخم لگانے والا لوسرنا' (Lucerna) کا مشہور اور سفاک قاتل (Massacren) گولیلمو روک' (Gulielmo Roche) نامی ایک شخص تھا، جس کے ساتھ اس کام میں ایک دوسرا شخص بھی شریک تھا جسے مانڈولین (Mandolin) کے نام سے جانا جاتا تھا۔ اس شخص نے اس کے بعد اس کے اعضا رستر (Privy members) کو بھی کاٹ ڈالا اور زخموں پر جلتی ہوئی موم بتی رکھ دی تاکہ اس کے شعلوں سے اسے بھون دے جس سے خون کا بہنا بند ہوجائے اور اس کے ساتھ ہی اس بیچارے بدنصیب کی ایذارسی کی مدت کچھ مزید دراز ہو جائے۔ اپنے دلخواہ طریقے پر وہ یہ سب کچھ تو کر ہی رہے تھے مزید برآں انھوں نے اس کے ناخونوں کو آگ میں سرخ کئے ہوئے موچنوں سے باہر کھینچ نکالا۔ اور یہ سب کچھ اسی لئے تھا کہ اسے اپنے پسندیدہ مذہب کو چھوڑنے کے لئے مجبور کر سکیں۔ لیکن جب یہ ساری تدبیریں ناکام ہوگئیں تو انھوں نے اس کی ایک ٹانگ کو 'لوسرنا' کے مارکیوس (Marquis of Lucerna) نامی ایک شخص کے اڑیل ٹٹو (Mule) (جو غالباً اس کام کے لئے معروف رہا ہوگا) کے پیر سے باندھ دیا اور اسی طرح اسے سڑکوں اور گلیوں میں گھسیٹتے رہے۔ یہاں تک کہ بیچارے غریب کی یہ تکلیف دہ زندگی قریب خاتمہ کے آ لگی۔ لیکن ابھی ان کے شوق ایذارسانی کی تسکین نہیں ہوئی تھی انھوں نے اس کی گردن کو ایک رسی سے باندھ دیا اور اسے بہت سے اور لوگوں کو ساتھ ملا کر اس شدت کے ساتھ اینٹھ کر کھینچا اور مروڑا کہ اس کا سر اس کے جسم سے جدا ہوگیا۔[۵]

اس داستان کا سب سے زیادہ اندوہناک پہلو یہ ہے کہ معصوم بچوں کو بھی ٹکڑے ٹکڑے کیا گیا۔ ان کی گردنیں ماری گئیں اور دوسرے مختلف طریقوں سے ان کے والدین کی نگاہوں کے سامنے انھیں قتل کیا گیا۔ بڑوں کی تو خیر بات ہی کیا ہے جس کی بے شمار مثالیں ہمارے سامنے ہیں۔ میری پیلانکین' (Mary Pelanchion)

---

[۵] حوالہ سابق ص ۵۸، ۵۷

ایک بدنصیب عورت تھی، جسے ننگا کر کے منہ کے بل دریا کے اوپر ایک پل سے لٹکا دیا گیا، اور اسی حال میں سپاہیوں کو حکم دیا گیا کہ اسے گولیوں کا نشانہ بنائیں۔ اسی طرح قسمت کا مارا ایک شخص سائپریانیا باستیا (Cypriania Bastia) بھی تھا جسے حکم دیا گیا کہ اپنا مذہب چھوڑ دے اور پاپائی عقیدے کو اختیار کر لے۔ اس پر اس کی زبان سے یہ الفاظ نکلے کہ "اس کے بالمقابل تو میں اسے زیادہ پسند کروں گا کہ زندگی ہی سے ہاتھ دھولوں، یا کتا بن جاؤں"۔ جس کا جواب ایک پادری نے اس طرح دیا کہ "اس گستاخی کے جرم میں تم اپنی زندگی سے بھی ہاتھ دھوؤ گے اور تمہیں کتے کے منہ میں بھی دیا جائیگا"۔ چنانچہ باستیا کو قیدخانے میں ڈال دیا گیا۔ اور جب وہ مسلسل خوراک نہ ملنے کے سبب مرنے کے قریب ہو گیا تو اسے بیچ سڑک میں لا کر نصب کر دیا گیا اور وہاں اسے چھوڑ دیا گیا کہ جنگلی کتے اسے اپنی خوراک بنالیں[1]۔

اسی طرح جیکوپو ڈی رونک (Jacopo di Ronc) جو "روراس" (Roras) کا ایک اسکول ماسٹر تھا، پہلے تو اس کو بالکل ننگا کر دیا گیا، پھر اس کے ناخنوں (Nails) کو آگ میں سرخ کئے ہوئے موچنوں سے اکھاڑ دیا گیا، اس کے ساتھ ہی اس کے ہاتھوں میں سوراخ کر دیا گیا۔ بعد ازاں اس کی کمر میں ایک رسی باندھ دی گئی اور اسی صورت میں اسے "لوسرن" (Lucerne) کی گلیوں میں خوب گھمایا گیا، دریں حالیکہ ایک محافظ سپاہی اس کے دونوں طرف چلتا تھا۔ باری باری جب کہ یہ جلوس آگے کو بڑھ رہا ہوتا تھا ایک سپاہی اپنی تلوار کے ذریعہ مظلوم کے جسم کے ایک ٹکڑے کو اڑا دیتا جب کہ دوسرا اس پر ڈنڈوں کی بارش کر رہا ہوتا تھا۔ اور یہ دونوں بلند آواز سے اس کے سامنے چیخ رہے ہوتے "کیا اب بھی تم عشائے ربانی میں جانے کے لئے تیار ہو"[2]۔

ان مسلسل مظالم اور قتل و خون کا نتیجہ تھا کہ پیڈمانٹ (Piedmont) کی وادی کے تمام دیہات اور قصبات ویرانے میں تبدیل ہو گئے۔ اگرچہ کچھ لوگ جائے واردات پر

---

[1] و [2] حوالہ سابق ص ۵۸

اپنی جانیں بچانے میں کامیاب ہوئے بھی تو ان کی اکثریت جو پناہ ڈھونڈنے کی غرض سے پہاڑوں میں جا چھپی تھی یا تو وہ فاقے سے مر گئے یا مختلف قسم کی بیماریوں کا شکار ہو کر لقمۂ اجل بن گئے۔[1]

کوئکرس (QUAKERS)

لیکن ابھی کلیسا کے ظلم و ستم کی داستان ختم ہونے کا نام نہیں لیتی جو جماعتیں اور تنظیمیں اس کے ظلم و ستم کا مسلسل نشانہ بنی رہیں ان میں ہمیں ایک نام کوئکرس (Quakers) کا بھی ملتا ہے۔ یہ آزادی فکر و نظر کا علمبردار ایک مکتب فکر تھا جس کی بنیاد ۱۶۴۶ء میں جارج ذاکس (George Fox) نے رکھی تھی اور اس کا نام سوسائٹی آف فرینڈس (Society of Friends) تجویز کیا تھا۔ اس تحریک کو بڑی تیزی کے ساتھ کامیابی حاصل ہوئی۔ اور چند سال کے اندر ہی قائم شدہ کلیسا اسے اپنے لئے خطرہ تصور کرنے لگا۔ چنانچہ چارلس دوم کے زمانے میں ان پر بھی نظر عنایت ہوئی اور سیکڑوں کی تعداد میں انھیں جیلوں میں ٹھونس دیا گیا۔ ان کے اثاثے ضبط کر لئے گئے۔ انھیں ہر طرح سے دبایا گیا اور یوں کہئے کہ ایک موت کے منہ میں دینے کے سوا انھیں ہر ممکن طریقے سے دق کرنے کی کوشش کی گئی۔ بلکہ سچی بات تو یہ ہے کہ ان میں سے بہت سے لوگوں کو پوشیدہ طور پر سخت ترین ایذا رسانیوں کا شکار بنایا گیا۔ حالات جب ناقابل برداشت ہو گئے تو ان کی نگاہیں نئی دنیا امریکہ کی طرف اٹھیں چنانچہ ۱۶۵۶ء سے ۱۶۵۷ء تک ان کی ایک معتدبہ تعداد بوسٹن (Boston) پہنچنے میں کامیاب ہو گئی۔ لیکن یہاں بھی سکون و اطمینان ان کے مقدر میں نہ تھا۔ چنانچہ جو انجام ان کا انگلینڈ میں تھا نئے انگلینڈ (امریکہ) میں انھیں اس سے بھی بدتر انجام سے دوچار ہونا پڑا۔ جہاں اپنی تبلیغ کے نتیجے میں ان کے ہمنواؤں کی تعداد دن بدن بڑھتی جا رہی تھی جس کی وجہ سے کلیسا اپنے تحفظ بلکہ بجائے خود اپنی بقا کے

---

[1] حوالہ سابق صفحات ۵۸، ۵۹

لئے انھیں خطرہ محسوس کرنے لگا تھا[1]

چنانچہ پیوریٹنس (Puritans) نے انڈیکاٹ (Endicot) کے گورنری رہنمائی میں ان پر مظالم کی ایک مہم شروع کردی جسے مذہبی رواداری کی تاریخ کا ایک بدترین باب ہی قرار دیا جاسکتا ہے۔ اس کے نتیجے میں مردوں اور عورتوں کو انتہائی بے رحمی کے ساتھ کوڑے لگائے گئے، آہنی سلاخوں سے انھیں داغا گیا، ان کے اعضاء کی قطع و برید کی گئی اور انھیں جیلوں میں ٹھونس دیا گیا۔ بہتوں کو سیدھے سیدھے موت کے منہ میں دیدیا گیا، دوسرے بہت سے وہ تھے جنھیں غاروں (Plantations) کے لئے غلام بناکر بھیج دیا گیا[2]

میری ٹامکنس (Mary Tomkins) اور ایلس امبروس (Alice Ambrose) کے سلسلے میں انتہائی بے دردی کے ساتھ یہ حکم نافذ کیا گیا کہ انھیں بگھی کے دنبالے (Cart's Tail) سے باندھ کر بیک وقت گیارہ قصبات کی سیر کراتے ہوئے ان پر کوڑوں کی بارش کی جائے۔ ہر قصبے میں الگ الگ دس کوڑے ان کی برہنہ پیٹھوں پر لگائے جاتے تھے اس طرح مجموعی تعداد ایک سو دس ہوتی ہے۔ اس طرح دوسری بار ایک انتہائی ٹھنڈے دن میں انھیں ننگا کرکے تین قصبات کی سیر کراتے ہوئے ان پر کوڑے برسائے گئے۔ پادری اس منظر کو دیکھ کر قہقہے لگا رہے تھے۔ برف اور راستے کی گندگیاں اس پر الگ تھیں جن کے اندر لمبا اوقات آدھی ٹانگیں ڈوب جاتی تھیں یہاں تک کہ یہ لوگ 'والٹر بیرفوٹ' (Walter Barefoot) کے چارج میں آئے جس نے ان کی جاں بخشی کا سامان کیا[3]

اسی طرح لیڈیا وارڈل (Lydia Wardel) کو کمر سے اوپر ننگا کردیا گیا اور اسے جنگلے (Fence Post) سے مضبوط باندھ دیا گیا۔ جب کہ اس کے برہنہ پستان جنگلے کی باڑھوں سے لگے ہوئے تھے۔ اسی حالت میں اس پر انتہائی

---

[1] حوالہ مذکور ص ۵۹، ۶۰ [2] [3] حوالہ سابق ص ۶۰

بے دردی کے ساتھ کوڑے برسائے گئے جن کی تعداد بیس سے لے کر تیس کے درمیان تھی۔ دوسری بدنصیب عورت 'ان کولمین' (Ann Coleman) تھی جس پر اس شدت کے ساتھ کوڑوں کی بارش کی گئی کہ اس کا جسم ایک انچ اندر تک بالکل بے کار ہو گیا، اور حالت یہ تھی کہ کوڑے کی گرہوں نے اس کے پستانوں کو بالکل چھلنی کر دیا تھا۔ ایک اور بدقسمت 'ایڈورڈ وہارٹن' (Edward Wharton) تھا جس پر کوڑوں کی مار اس بری طرح لگائی گئی تھی کہ اس کی گواہی دینے کے لئے لوگ موجود تھے کہ کوڑے کی گرہوں سے اس کی پشت اور کندھے کے گوشت میں جو سوراخ ہو گئے تھے اس میں باقاعدہ مٹر کے دانے رکھے جا سکتے تھے۔ اس کا پورا جسم زخموں سے چور تھا اور کمر سے اوپر بالکل سیاہ ہو رہا تھا۔ اسی طرح 'ٹامس نیو ہاؤس' (Thomas New house) کو پہلے تو ننگا کیا گیا پھر اسے منجنیق کے پہیے (Gun wheel) سے باندھ دیا گیا، جہاں اسے دس کوڑے لگائے گئے، اسی طرح اس کے بعد مختلف اوقات میں بگھی کے دنبالے سے باندھ کر اس پر کوڑے برسائے جاتے رہے[1]

یہ ان مظالم کی ہلکی سی جھلک ہے جو اس بدنصیب گروہ 'کونکرس' کے ساتھ روا رکھے گئے۔ اگر اس کی تفصیل بیان کی جائے تو جی۔ آر۔ اسکاٹ کا بیان ہے کہ صرف اسی کے لئے باقاعدہ ایک تصنیف کی ضرورت ہوگی[2]

ان کارروائیوں کے پیچھے کلیسا کے بنیادی محرکات

بے دینی کے جرم میں باشندگان یورپ پر گلیسا کی طرف سے یہ جو مظالم ڈھائے گئے ان کے لئے بھی وجہ جواز شاید مشکل ہی سے فراہم کیا جا سکتا تھا اگر ان کارروائیوں کا مقصد بے آمیز طریقے پر ملک اور سماج میں عقیدے کے احترام کی بحالی اور اس کی

---

[1] [2] حوالہ سابق صفحہ ۶۰

ساکھ اور وقار کو گرنے سے محفوظ رکھنا ہوتا اس لئے کہ جس تعذیب اور ایذا رسانی کا مظاہرہ ان تمام کارروائیوں میں بلا استثنا رہیں ہر جگہ نظر آتا ہے، رحم و ترحم کی علمبردار اور اس کی سب سے بڑی نقیب مسیحیت کا تو ذکر ہی کیا دنیا کا کوئی بھی مذہب اس کا قائل نہیں، ستم بالائے ستم یہ کہ 'بے دینی کے خلاف جنگ' کا یہ سارا ڈھونگ کلیسا نے صرف اس لئے رچایا تھا تاکہ وہ زیادہ سے زیادہ اپنی دنیا کو سنوار سکے اور عوام کے اوپر اپنے اقتدار کو مضبوط سے مضبوط تر کر سکے۔ جے۔ بی۔ بری انتہائی دکھ کے ساتھ کہتا ہے:

"ہم یہ سوچنے پر مجبور ہیں کہ بے دینی کی تلاش میں کلیسا کے محرکات بنیادی طور پر دنیوی جاہ و اقتدار کی بحالی اور دنیوی مفادات و اعتبارات تھے۔ اور وہ سخت تر اقدام کے لئے قدم اسی وقت اٹھاتا تھا جب کہ مزعومہ باطل عقیدے کے پھیلاؤ سے اس کے اپنے محاصل میں کمی کا اندیشہ ہوتا یا کسی دوسرے انداز سے یہ چیز سماج کے لئے خطرہ دکھائی دیتی" [1]

اسی طرح خاص طور پر قرون وسطی کے مظالم پر ایک جامع انداز میں تبصرہ کرتے ہوئے ایک دوسرا مصنف رقمطراز ہے:

"قرون وسطی کے مظالم کی تاریخ پر نظر کرتے ہوئے ایک شخص اس سے یہ نتیجہ اخذ کرنے میں بالکل حق بجانب ہے کہ کلیسا (Clergy) بحیثیت مجموعی بڑی بڑی کارروائیوں کے لئے جوش و جذبہ کا جو مظاہرہ کرتا تھا، اس کی بڑی وجہ وہ خطرات تھے جو اس دنیا میں اس کے مادی مفادات کو لاحق تھے۔ دوسری دنیا میں عام انسانی روحوں کو کس انجام بد سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔ کلیسا کے اندر اس کے سلسلے میں کوئی سچی تڑپ موجود نہ تھی، نہ اس کے تئیں اسے کوئی پریشانی لاحق تھی" [2]

اس حقیقت کا اندازہ آپ صرف اس سے کر سکتے ہیں کہ بے دینی کے دو عقیدے جنھیں پاپائیت انتہائی تباہ کن تصور کرتی تھی ان میں سے ایک تو وہ تھا جس کا مقصد اس

---

(1) A History of Freedom of Thought P. 40
(2) E.S.P. HAYNES: Religious Persecution P.33.

سے کے اعجازاتی اقتدار (Thaumaturgic Powers) پر حملہ کرنا ہوتا۔ دوسرا وہ تھا جس کی رو سے یہ بات کہی جاتی تھی کہ جناب یسوع مسیح کی طرح ان کے شاگردوں کو بھی کسی قسم کی دولت رکھنے اور جائداد بنانے کا کوئی اختیار نہیں ہے۔ اسی کا نتیجہ تھا کہ چودھویں صدی عیسوی میں جان وائی کلف (Wycliffe) اور جان ہس (Huss) کو بدترین قسم کی زیادتیوں اور ایذا رسانیوں کا شکار ہونا پڑا تھا[1] زیادتیوں سے تو خیر کیا رستگاری تھی پھر بھی وائی کلف زندگی میں اپنی جان بچانے میں کامیاب رہا لیکن بیچارہ ہس اپنے کو نذر آتش کئے جانے سے نہ بچا سکا۔ یہ ۶ جولائی ۱۴۱۵ء کی بات ہے جب کہ **حکومت وقت** کی طرف سے اسے شعلوں کی نذر کر دیا گیا[2]

تیرہویں صدی عیسوی میں بدنصیب البی جینسیز کے خلاف انوسنٹ سوم نے جو کارروائی کی تھی جس کی مختصر تفصیل اوپر گذر چکی ہے اس کا بڑا محرک یہی تھا کہ اس مالدار طبقے سے کلیسا (Church) کو بہت تھوڑی ہی رقم ہاتھ آتی تھی[3] اسی طرح بدینی کے مجرموں کی عام طور پر تمام جائداد جو ضبط کر لی جاتی تھی تو اس کا بھی بڑا سبب یہی تھا کہ کلیسا (Church) کو اپنے بڑھتے ہوئے اخراجات کے پیش نظر سرمائے کی قلت ہر وقت پریشان کئے رہتی تھی۔ جسے پورا کرنے کی یہ ایک بہترین صورت تھی جو اسے ہاتھ آگئی تھی[4]

ان مظالم کی ذمہ داری کلیسا کے سر عائد ہوتی ہے

ان تفصیلات کے بعد یہ کہنے کی کچھ حاجت نہیں رہتی کہ باشندگان یورپ پر ان مظالم کی ذمہ داری تمام تر کلیسا کے سر عائد ہوتی ہے۔ اس لئے کہ اٹھارویں صدی سے قبل یہی ادارہ یورپ میں تمام تر سفید و سیاہ کا مالک تھا۔ براہ راست مسند اقتدار پر متمکن نہ ہونے

---

(1) حوالہ سابق
(2) Carl Stephenson: Med. History Rev Ed. 422.
(3) A History of Freedom of Thought P40.
(4) History of Torture Throughout the Ages P.53.

کی صورت میں بھی اقتدار کا اصل سرچشمہ یہی تھا۔ اور وقت کے سیکولر حکمرانوں کو فی الحقیقت وہ اپنی مٹھی میں لئے ہوتا تھا۔ اس کی مرضی سے باہر وہ ایک انچ قدم نہیں رکھ سکتے تھے۔ اس کے واضح احکامات سے انحراف کا تو کیا سوال پیدا ہوتا ہے اس کے چشم وابرو کے اشارے کو نظر انداز کرنے کی بھی ان میں ہمت نہ تھی۔ چنانچہ خود اس بے دینی کے سلسلے میں ان کی بے بسی کا اندازہ آپ اس سے کر سکتے ہیں کہ "چرچ نے باقاعدہ یہ اصول نافذ کر دیا تھا کہ کوئی بھی مقتدر اعلیٰ (Sovran) اپنے تخت و تاج کا اسی شرط پر استحقاق پیدا کرتا ہے کہ وہ اپنے زیر انتظام علاقے سے بے دینی کو نکال باہر کرے گا۔ اگر پوپ کا فرمان مل جانے کے بعد بے دینوں کی سرکوبی کے سلسلے میں وہ ذرا بھی ہچکچاہٹ کا مظاہرہ کرتا تو اسے یک لخت کچل کر رکھ دیا جاتا تھا۔ وہ اپنی تمام اراضی کا استحقاق کھو بیٹھتا تھا۔ اور اس کے زیر انتظام تمام علاقوں کے سلسلے میں اس کی بھی چھوٹ ہو جاتی تھی کہ کوئی بھی شخص حملہ کر کے اس پر قابض ہو سکتا ہے بشرطیکہ اسے کلیسا سے اس کی باقاعدہ اجازت حاصل ہو۔[۱] اس کا نتیجہ یہ تھا کہ بے دینوں کے معاملے میں ملکی حکومت بالکل بے بس تھی۔ اور اس کے سامنے اس کے سوا کوئی دوسرا چارۂ کار نہ تھا کہ وہ مزعومہ مجرموں پر موت کی سزا نافذ کر دے جس سے انحراف کی صورت میں اسے بھی بے دینی کے فروغ کا ملزم بننا پڑتا تھا۔ تمام شہزادے اور سرکاری افسران مقدس قانون (Canon Law) کی رو سے اس کے پابند تھے کہ انکوزیشن کی طرف سے انہیں جن بے دینوں کو بھی حوالہ کیا جاتا ہے انہیں وہ قرار واقعی سزا دیں بصورت دیگر وہ "کلیسائی حقوق سے محرومی" (excommunication) کی سخت سزا کے مستحق قرار پاتے تھے۔[۲] اسی وجہ سے سی۔ ٹی۔ گورہام کے اس خیال سے اتفاق کرنے پر آدمی مجبور ہوتا ہے کہ:

"اس میں شک نہیں کہ ان خوفناک کارروائیوں کے سلسلے میں حکومت و سیاست کو بھی بہت کچھ دخل تھا لیکن بڑھے ہوئے اثرات فی الواقع چرچ ہی کے تھے، اس لئے ان شرمناک حرکتوں کی ذمہ داری اصلاً چرچ ہی کے سر عائد ہوتی ہے"[۳]

(1) A History of Freedom of Thought P.41

(۲) حوالہ مذکور ص ۵۱

(3) C.T. Gorham: Religion as a Bar to Progress P.33